Tarseel, Vol.18 (ISSN: 0975-6655)
A Peer Reviewed Research Journal of Urdu
Listed in UGC-CARE
Center for Distance and Online Education
University of Kashmir

غلام سرورؔ ہاشمی کی شعری کائنات

ڈاکٹر اسما بدر

تلخیص

غلام سرور ہاشمی رواں صدی میں ابھرنے اور اپنی معنویت منوانے والے غزل و نظم گو شعرا میں ایک اہم نام ہیں۔موصوف کے اب تک تین شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں۔یہ تینوں مجموعے ان کی غزلیہ،نظمیہ،نعتیہ اور حمدیہ اشعار پر مشتمل ہیں۔ان کی غزلیں اور نظمیں موضوعاتی اور ہئیتی اعتبار سے رنگارنگ تجربات کو محیط ہیں۔دورِ حاضر میں ملک و قوم کو درپیش طرح طرح کے مسائل خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی،معاشی ہو یا اقتصادی یا پھر مذہبی و تعلیمی ان کی شاعری میں براہ راست یا بالواسطہ طور پر جگہ پائے ہیں۔اس تحقیقی مضمون میں غلام سرور ہاشمی کے منظوم کلام کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

کلیدی الفاظ:

سیاسی منظرنامہ،حب الوطنی،فکری رنگارنگی،روحانی زوال،بیانیہ اسلوب،موسیقیت

''موجودہ دور کی غزل گوئی پر غور کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ بہار کے شعرا کے یہاں ایک طرف موضوع میں تنوع اور خیالات کی رنگارنگی نظر آتی ہے تو دوسری جانب پرانا انداز بیان جدت اختیار کرنے کے بعد نئی اشاریت، نئی رمزیت کی شکل میں عام دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ اظہار کے نئے سانچے بھی تیار کئے جا رہے ہیں۔ وہ ہئیت کی سطح پر ہو یا موضوعات کی، وہ چھوٹی بحر ہو یا طویل ترین بحر میں، اپنی بات کہنے کا منفرد انداز، ہر دو صورت میں موجودہ نسل کے چند مگر خاص شعرانہ صرف کامیاب نظر آتے ہیں بلکہ اپنے اجداد سے الگ بھی دکھائی دیتے ہیں۔''[۱]

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ریاستِ بہار سے وابستہ دورِ حاضر کے شعرا کے یہاں ہئیتی و موضوعاتی رنگارنگی اور تنوع پذیری بدرجہ اتم موجود ہے۔ اردو شاعری بالخصوص اردو غزل کی آبیاری و آب پاشی کے حوالے سے جہاں ملک اور بیرون ملک سے ہمیشہ نئے نئے نام منظرِ عام پر آتے اور ادبی دنیا میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتے ہیں وہیں ریاستِ بہار بھی اس سلسلے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ اردو کی ادبی روایت کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مذکورہ ریاست نے اپنی ابتدا سے ہی ایسے قلم کار پیدا کئے ہیں جنھوں نے اپنی بے پناہ تخلیقی، تنقیدی و تحقیقی صلاحیتوں سے پوری ادبی دنیا کو اپنا گرویدہ بنالیا اور جن کی کاوشوں کو ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی برابر سراہا جا رہا ہے۔ سید سلیمان ندوی، راسخ عظیم آبادی، جمیل مظہری، مبارک عظیم آبادی، بیدل عظیم آبادی، ارمان آروی، شاد عظیم آبادی، راجہ پیارے لال الفتی، خواجہ امین الدین امین، سید جمال حسین جمال، خواجہ محترم علی خان محترم، مولانا سید شاہ وارث علی وغیرہ کے علاوہ اور کئی نام اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہیں۔

اکیسویں صدی کے اس تیز رفتار اور ترقی یافتہ دور میں بھی اردو زبان وادب کی خدمت میں یہ ریاست اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں کے معاصر قلم کاروں میں اگرچہ ایک طرف وہ فن کار بھی شامل ہیں جو ۸۰ کی دہائی یا اس سے پہلے ہی ادبی حلقوں میں اپنا لوہا منوا چکے ہیں لیکن بعض ایسے نام بھی شامل ہیں جن کی کرنیں رواں صدی کے طلوعِ آفتاب سے ہی ادبی کائنات کو منور کرنے لگی ہیں۔ انہی نوجواں قلم کاروں میں ایک اہم نام ''غلام سرور ہاشمی'' کا ہے۔

غلام سرور ہاشمی صرف ایک منجھے ہوئے اور حساس شاعر ہی نہیں بلکہ ایک حلیم و جمیل شخصیت کے مالک بھی

ہیں۔سبڑ یلاٹولہ مرغیاں، گوپال گنج بہار میں ۸ جون ۱۹۸۳ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ابتدائی اور اعلیٰ تعلیمی سلسلہ اپنے والد جناب صابر حسین ہاشمی کی نگہداشت میں ہی پروان چڑھتا رہا۔بی اے کے بعد پہلے انگریزی اور بعد میں اردو مضمون میں ایم اے کی سند حاصل کی۔بچپن سے ہی نہایت ذہین اور محنتی واقع ہوئے ہیں۔آج آپ درس وتدریس جیسے عظیم پیشے سے وابستہ ہیں۔یہ آپ کی نیک نیتی، ملت وقوم اور اردو ادب کے تئیں شفقت وہمدردی کا ہی تقاضا ہے کہ اس پُر انتشار اور پُرفتن دور میں بھی آپ بچوں کو انگریزی اور اردو کی مفت تعلیم فراہم کرتے ہیں۔موجودہ دور میں اس نوع کی مثالیں شاذ ونادر ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔زمانۂ طالبِ علمی سے ہی آپ کی طبیعت شعروشاعری کی اور راغب تھی۔اردو اور انگریزی ادب کے کئی ایک صفِ اوّل کے شعرا کا بغور مطالعہ ابتدا سے ہی ان کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔یہ اس ذوق سخن ہی کا ثمرہ ہے کہ آج ادبی حلقوں میں آپ بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔آپ کی بے لوث ادبی وتعلیمی خدمات کے عوض آج تک کئی ایک ادبی اداروں وانجمنوں کی جانب سے آپ کو اعزازی انعامات سے نوازا گیا ہے۔

''افکارِ سرور'' کے نام سے آپ کا ابتدائی شعری مجموعہ منظر عام پر آچکا ہے۔یہ شعری مجموعہ اپنی اشاعت کے ساتھ ہی ادبی حلقوں میں بحث ومباحثہ کا حصہ بنا رہا۔جیسا کہ عنوان سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مجموعے میں شامل آپ کا کلام آپ کی مختلف اور متنوع فکری جہات کو محیط ہے۔اس فکری کائنات کو ہم کسی مخصوص اور محدود دائرے میں قید نہیں کرسکتے ہیں کیوں اس میں جہاں محبوبِ حقیقی سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار پنہاں ہے وہیں مجازی محبوب کی سراپا نگاری سے بھی کنارہ کشی نہیں کی گئی ہے۔جہاں اس میں موصوف کی سماجی ناہمواریوں کے تئیں بے چینی اور غم وغصہ شامل ہے وہیں اخلاقی وروحانی قدروں کی شکست وریخت کی دل برداشتہ تصویریں بھی جلوہ گر ہیں۔علاوہ ازیں شاعر کے ہمدردانہ اور اصلاحی نقطہ نظر کی جھلکیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔چند اشعار مجموعے ہذا سے پیش کیے جاتے ہیں۔ملاحظہ کیجئے

دونوں جہانوں کو تو نے کیا خوب ہے سجایا خالق ہے تو خدایا مالک ہے تو خدایا
پھل بھی اگایا تو نے سوکھے شجر پہ مولا چلتا ہے حکم تیرا ہر خشک و تر پہ مولا
حسین اور بھی دنیا میں یوں تو لاکھوں ہیں اسی کے چہرے پہ میری نظر ٹھہرتی ہے
جس کی فطرت میں وفاداری نظر آئی مجھے اس سے اپنی دوستی کا سلسلہ اچھا لگا
کسی غریب کے اشکوں کو پونچھ لینا بھی ہر ایک طور سے کارِ ثواب ہوتا ہے

جو بانٹتا ہے خوشی آج کے زمانے میں مری نظر میں وہی لاجواب ہوتا ہے
بھوک سے مرنا گوارا ہے مجھے چھین کر اوروں سے کھا نہیں سکتا
میں نہیں رہزن ہواؤں کی طرح پھول سے خوشبو چُرا سکتا نہیں
بچتا رہا تھا اب تلک نفرت کے تیر سے اپنا گلا تو پیار کے خنجر سے کٹ گیا
کسی کے دل میں نفرت اور حسد باقی نہ رہ جائے سبھوں کو باہم پیار سے ملانے کی ضرورت ہے

درج بالا تمام اشعار چوں کہ سرؔور کی شاعری کے ابتدائی دور کا نمونہ ہیں اس لئے اگر ہیئتی وتکنیکی اعتبار سے ان میں کوئی نقص دیکھنے کو ملتا بھی ہے تو یہ کوئی امر عجیب نہیں ہے۔اس مجموعے کے بعد ان کے فن میں رفتہ رفتہ نکھار اور پختگی آتی گئی۔ان کے موضوعات کا دامن وسیع ہوتا گیا۔اس کا بنیادی اور اصل نتیجہ اگر چہ ایک طرف ان کے شعور کی بالیدگی ہے لیکن دوسری طرف وہ ے

جو مشہور کردے مجھے اس جہاں میں میں اپنے لیے وہ ہنر چاہتا ہوں

جیسی خواہش کو اپنے وجود میں پالتے ہیں اور اسے عملی جامہ پہنانے پر مصر ہیں۔دراصل شاعر اُس شہرت وناموری کے قائل نہیں ہیں جس کا گمان اوپر پیش کئے گئے شعر کی سرسری قرأت سے ہوتا ہے اور جس کا اظہار ''صابر ادیب'' نے بھی غلام سرور ہاشمی کے حوالے سے لکھے گئے اپنے ایک مضمون ''سادگی اور پُر کاری کا شاعر سرور ہاشمی'' میں کیا ہے۔آپ نے لکھا ہے کہ ''وہ (شاعر) چاہتا ہے کہ پہچانا جائے''یعنی یہ کہ شاعر کا کلام ان کے نام کو دوسروں تک پہنچانے کا موجب بنے۔آپ مزید لکھتے ہیں کہ ''دراصل یہی وہ جذبہ (شہرت حاصل کرنے کا) ہوتا ہے جو اسے تخلیقی عمل کی جانب مائل کرتا ہے۔''اگر واقعی یہ جذبہ ایک انسان کو تخلیقی عمل کی جانب مائل کرنے کے لئے کافی ہوتا تو شاید ہی آج کوئی شخص ایسا ہوتا جو تخلیق کار نہ ہوتا۔حالاں کہ ایسا قطعی نہیں ہے ۔شاعر یا ادیب کو جو چیز زندہ جاوداں عطا کرتی ہے وہ اُس کا اپنے معاصر ادباء وشعرا سے مختلف اور منفرد طرزِ تحریر، اندازِ بیان، تفحص الفاظ، مطالعۂ زندگی، اس کی تخلیقات (خواہ وہ منظوم ہوں کہ منثور) کی فنی پختگی اور فکری رچاؤ وغیرہ ہیں۔کسی بھی قلم کار کی تحریریں جس قدر فن کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہوں اسی قدر وہ ادبی دنیا میں مقبولیت کا مستحق ہوتا ہے۔سرؔور اسی شہرت وعظمت کے خواہاں ہیں۔وہ اپنی شاعری میں وہ تمام اوصاف یکجا دیکھنے کے متمنی ہیں جو اسے (شاعری کو) اعلیٰ ادب کے زمرے میں شامل کرنے کی ضمانت دیتے ہوں۔اس آرزو کی تکمیل ہی اس کے خوابوں کی سچی اور مناسب تعبیر ہوگی۔ ے

غزل کے ملک میں آیا ہوں آرزو لے کر خدا کرے مجھے حاصل مقام ہوجائے

حسن اور عشق و عاشقی کے تلخ و شیریں تجربات کی ترجمانی اردو غزل کی خمیر میں شامل ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ''پہلے پہل اردو غزل کی صنف زیادہ تر انہی تجربات کے لئے مختص تھی''۔ زمانہ جوں جوں کروٹ لیتا گیا غزل بھی اپنے رنگ بدلتی گئی یہاں تک کہ آج یہ دونوں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو اس مشینی کلچر اور اس کے پیدا کردہ ان گنت مسائل و معاملات کی موثر انداز میں ترجمانی کرتے ہیں۔ غلام سرؔور ہاشمی کے شائع شدہ شعری مجموعوں ''افکارِ سرور''، ''دیارِ دل'' اور ''تیری چاہت میں'' کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی تجربات و مشاہدات کی کائنات بھی پھیلتی جا رہی ہے۔ ان کے یہاں حسن کی رنگارنگی اور عشق و عاشقی ایک اہم اور بنیادی موضوع کے طور پر اُبھرتا ہے۔ آپ کا تصورِ حسن و عشق کافی نکھرا اور سلجھا ہوا ہے۔ سطحیت اور سفلی پن ان کے یہاں ناپید ہے۔ محبوب کے تئیں ان کی ایک خاص اور مقدس عقیدت وابستہ ہے۔ ان کے اس طرح کے اشعار قارئین کو ایک طرح کی روحانی تسکین فراہم کرتے ہیں۔

مرے دل سے تری چاہت کا مٹنا غیر ممکن ہے رہے گی میری آنکھوں میں تری تصویر مدت تک

تمہارے بن مجھے شام و سحر کسی پہلو سکونِ دل نہیں ہے

زندگی اپنی نچھاور کرکے راہِ عشق میں لذتِ وارفتگی سے آشنا کر جاؤں گا

اک نظر ہی تجھے دیکھا ہے مگر جانِ جگر مجھ کو لگتا ہے کہ برسوں سے ہے ناطہ اپنا

گلہ جب ان کا کسی سے کہیں کیا ہی نہیں رقیب کیسے انھیں ہم سے بدگماں کرتے

آپ کے یہاں عشق و محبت کا تصور محض عاشق و معشوق کے گرد ہی نہیں گھومتا ہے بلکہ اس کے دائرۂ کار میں قدرے گہرائی و گیرائی موجود ہے۔ اس میں انسانیت سے محبت، انسانی اقدار سے محبت، قوم و ملک کی سلامتی سے محبت، والدین سے محبت، دینی تصورات و عقائد سے محبت وغیرہ شامل ہیں۔ شاعر نے ان موضوعات کو صفحۂ قرطاس پر اتارنے میں اپنا خون جگر صرف کیا ہے۔ یہ وہ پُر خطر موضوعات ہیں جن پر قلم اُٹھانے سے اکثر قلم کار کتراتے ہیں کیوں کہ ان معاملات میں ذرا سی لغزش تک بھی قلم کار کی ذات کو پستی کی اور دھکیل سکتی ہے۔ لیکن سرؔور کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بڑی ہوشیاری اور ہنرمندی سے ان پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ ان کا لب و لہجہ قدرے مدہم اور زبان تصنع و بناوٹ سے پاک ہے۔ عام فہم الفاظ کو وہ اپنے اشعار میں یوں خوب صورتی سے پروتے ہیں کہ لفظوں کا ایک حسین گلدستہ تیار ہوجاتا ہے جو اپنی خوش نما مہک سے قارئین و سامعین کو منور

کر دیتا ہے۔ملاحظہ کیجئے چند اشعار:

ماں کی خدمت جان و دل سے کرتے رہے رات دن اس کے قدموں میں ہے جنت یہ حقیقت جانئے
مانگی جاتی ہے دعا رو رو کے جب اللہ سے دور ہوتی ہے محبت یہ حقیقت جانئے
اک ہدایت کا صحیفہ ہم کو دے کر آپ نے امتِ عاصی کی بخشش کا بھی ساماں کر دیا
حق کا پرچم لئے ہاتھوں میں وہی آلِ رسول اپنے ہی خون کے دریا میں نہانے نکلے
سلام اس کو کرے گا زمانہ اے سروؔر جو سچے دل سے نبی کا غلام ہوجائے
نیکیوں کی روشنی کا دائرہ اچھا لگا مذہب اسلام کا ہر ضابطہ اچھا لگا

سروؔر اپنے آپ کو کسی مخصوص تحریک، رجحان، میلان یا کسی ازم کے ساتھ وابستہ نہیں کرتے ہیں۔آپ انسانیت کے شاعر ہیں۔آپ اپنے ملک اور قوم کی ایکتاییت کے شاعر ہیں۔دراصل آپ اپنے کلام کی وساطت سے اس منتشر دور میں (جب لوگ مختلف النواع اجنبی اور بیگانے مشکلات ومصائب میں جھکڑے ہوئے ہیں)' ملک وقوم کو بیدار کرنا چاہتے ہیں۔وہ لوگوں کو اس سائنسی اور مشینی کلچر کی حقیقت سے واقف کرانا چاہتے ہیں۔اس کے کھوکھلے پن سے پردہ ہٹانا چاہتے ہیں۔لوگ جس چیز کو اپنے لئے ترقی اور نجات کا ذریعہ تصور کیے ہوئے ہیں اس میں چھپے نقصانات کو سامنے لانا چاہتے ہیں۔یہ دور، جس سے متعلق ہر سمت یہ افواہیں گرم ہیں کہ یہ عالم انسانیت کے حق میں ترقی پزیر اور خوش حالی کا دور ہے، اس کی اصلیت اور Orginality کو عوام کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔وہ اپنی شاعری کا سہارا لے کر اشاروں کنایوں میں قارئین کو اس بات سے باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ بعض شر پسند طاقتیں کس طرح اپنی مفاد پرستی کے تحت عام لوگوں کو آپس میں مذہب، رنگ نسل، ذات پات اور زبانوں کے نام پر لڑاتے ہیں۔کس طرح دھیرے دھیرے ایک ملک اور قوم سے اس کی پہچان چھینی جاتی ہے۔کس طرح انھیں ان کے اسلاف اور قدیم قومی و وطنی سرمائے سے دور کیا جاتا ہے۔کس طرح ہمارے اپنے وقتِ آخر غیر بن جاتے ہیں وغیرہ۔یہ اور اس طرح کے دوسرے ان گنت سیاسی، سماجی، معاشی، اقتصادی پہلوؤں کی معقول ومناسب ترجمانی میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔چند اشعار بطورِ مثال پیش کئے جاتے ہیں ؎

کسی بھی پیڑ پہ کیسے دکھائی دے پتے چمن میں آیا ہے گرد و غبار کا موسم
راہ میں پھول بچھاتا رہا جن کی ہر دم میرے رستے میں وہی کانٹے بچھانے نکلے

اگر آپس میں یوں ہی لڑتے رہو گے اے وطن والو غلامی کی رہے گی پاؤں میں زنجیر مدت تک
ہم کو معلوم ہے انجام ہر ایک ظالم کا خود بھی روئے گے کبھی ہم کو رلانے والے
عجیب بات ہے ہم جن سے پیار کرتے ہیں ہمارے دل میں وہ خنجر چلائے جاتے ہیں

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اپنے ہم وطنوں کو ہر قدم پر ایکتا اور بھائی چارے کا ماحول بنائے رکھنے کی سخت تلقین کرتے ہیں۔ ہمت اور حوصلے کا دامن کبھی نہ چھوڑنے پر زور دیتے ہیں۔ ہر طرح کے مشکلات ومصائب کا بڑی دلیری سے اور ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا پیغام عام کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہی وہ طاقتیں ہیں جو کسی بھی ملک وقوم کی سلامتی کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے ایک ملک (بالخصوص وہ ملک جہاں مختلف طبقات سے وابستہ لوگ ایک ساتھ مقیم ہوں۔ جہاں کئی ایک مذاہب کے ماننے اور پوجنے والے مل جل کر زندگی گزارتے ہوں۔ جہاں بہت ساری زبانیں بیک وقت بولی جاتی ہوں وغیرہ) ہر صورت میں خوش حال اور مائل بہ ترقی رہ سکتا ہے۔

ہر ایک سمت ہو رنگ ِ بہار کا موسم رہے دلوں میں ہمیشہ یہ پیار کا موسم
ہمارے ملک کی تہذیب جو قائم ہے صدیوں اسے ہر حال میں ہم کو بچانے کی ضرورت ہے
گلے شکوے کو اب دل سے بھلانے کی ضرورت ہے دلوں میں ایکتا پھر سے جگانے کی ضرورت ہے
رہے ہندو، مسلماں، سکھ عیسائی میں نہ کچھ دوری محبت کا حسیں گلشن کھلانے کی ضرورت ہے
س لشکر ِ عزم کو میدان ِ عمل میں رکھئے معرکہ زیست کا ہر حال میں سر ہونے تک
حوصلہ آندھیوں کا بڑھتا ہے شمع ِ ہمت کے جھلملانے سے

صارفیت کے اس دور نے انسان کو اس کی فطری صلاحیتوں اور ہنرمندیوں سے محروم کر رکھا ہے۔ آج کا انسان مشینوں سے کھیلتے کھیلتے خود ایک مشین کا پرزہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس کے یہاں اخلاقی وروحانی اقدار اپنی اہمیت کھو چکے ہیں۔ دنیاوی رچ رچاؤ میں مگن ہوکر وہ اپنی اصلیت بھول چکا ہے۔ رشتے ناطے اس کے لئے اب ایک اضافی شے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاعر چوں کہ ایک حساس طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ وہ سماج میں پنپ رہے اُن مسائل ومعاملات کو اپنے مشاہدے میں لیتا ہے جن کی طرف عام انسانوں کی نظر بہ آسانی نہیں جاتی ہے۔ اردو ادب کے اُفق پر تابناک ہر ایک ادیب وشاعر نے اپنے اپنے انداز میں ان موضوعات کو حیطہٗ تحریر میں لایا ہے۔ غلام سرورؔ ہاشمی کا نام بھی اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہے۔ آپ کے یہاں ایسے

اشعار کی بہتات ہے جن میں وہ ایک انسان کو دنیا کی بے ثباتی، دنیا میں موجود ہر شے کی فنا پزیری، لالچ وحرص کے تباہ کن نتائج، نیک نیتی اور خدمتِ انسانیت کے سودمند اثرات وغیرہ جیسے اہم پہلوؤں سے روشناس کراتے ہیں۔مثلاً ؎

رات دن کر کے خدمات مخلوق کی نیکیاں عمر بھر ہم کماتے رہے
ساتھ جائے گی نہ دولت یہ حقیقت جانئے کام آئے گی عبادت یہ حقیقت جانئے
کس لئے کرتا ہے تو یوں اپنی طاقت پر غرور وقت کا قزاق تیری ہر ادا لے جائے گا
جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہو جس کے واسطے چھین کر اک دن تمہارا آسرا لے جائے گا

سرورؔ اس بات سے بھی باخبر ہیں کہ آج ایک انسان جس قدر قوم کے تئیں ہمدردانہ جذبات کا اظہار کرتا ہے بدلے میں اسی قدر اسے کم تر اور کم ظرف تصور کیا جاتا ہے۔ہمدردی کو مصیبت اور سچائی کو بوجھ کا نام دیا جاتا ہے۔جیسے ؎

دکھائی تو نے جو ہمدردی مجھ سے مرے حق میں مصیبت ہوگئی ہے
ہمیں تو کھانا ہی پڑتا ہے زخم ہنس ہنس کر یہ دوستوں کی ہے سوغات کیا کیا جائے

تشبیہات واستعارات کا استعمال آپ کے کلام کی معنویت کو دوبالا کردیتے ہیں۔کئی ایک اشعار ایسے بھی ہیں جن میں صنعتِ تلمیح کو بڑی کامیابی سے برتا گیا ہے۔اکثر غزلیں مردوف ہیئت میں ہیں۔زبان وبیان میں سادگی اور روانی جھلکتی ہے ۔بڑی بحروں کے ساتھ ساتھ چھوٹی بحروں میں بھی غزلیں موجود ہیں۔اس بات سے بھی انکار نہیں ہے کہ ان کا کلام ہیئتی و موضوعاتی سطح پر بہت ساری خامیوں کا بھی مرتکز ہے (جنھیں دور کرنے کے لئے مشق سخن، سخن فہمی، کلاسیکی وجدید شعری سرمائے کے سنجیدہ مطالعے کی اشد ضرورت بھی ہے اور تقاضائے وقت بھی) تاہم اس حوالے سے یہ تاول پیش کی جاسکتی ہے کہ ابھی ادبی دنیا بالخصوص شعری کائنات میں آپ کی عمر نہایت کم ہے۔امید کرتے ہیں کہ آنے والے وقت میں آپ کے شعری رنگ وآہنگ میں مزید نکھار اور بالیدگی دیکھنے کو ملے۔آپ کا کلام فن کے نقطۂ عروج کو پہنچے اور آپ اپنے اس شعر کے حقیقی مفہوم کہ ؎

یاد رکھے گا زمانہ جس کو برسوں بعد ایسی کوئی خوبصورت سی خطا کرجاؤں گا

پر عمل پیرا ہوکر (اردو زبان وادب کی تعمیر وتشہیر کے حوالے سے) ایک ایسی خوب صورت خطا کر گزرے کہ آپ کا نام ایک شاعر اور ملک وقوم کے ترجمان کی حیثیت سے ہمیشہ تابناک رہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد کاظم ''بہار میں غزلیہ شاعری کا موجودہ منظر نامہ''

☆☆☆

رابطہ
ڈاکٹر اسما بدر
سوپور، بارہمولہ، کشمیر
فون: 7006058095